© rasailojaraid.com

سلیم اختر

اک صورت خرابی کی

فلسفہ نزول مصیبت

مسلمانوں کی علمی ترقی کی تاریخ کی یہ عجیب پر تضاد صورت حال رہی ہے کہ اگر ایک طرف علم پرور بادشاہوں نے اہل علم کی سرپرستی کی، فروغ علم کے لیے مدارس قائم کیے، کتب خانوں کا اہتمام کیا، علما کے وظائف مقرر کیے اور یونانی، لاطینی، عبرانی، سریانی اور سنسکرت کے علمی اور ادبی شاہکاروں کے تراجم سے ذہنی آفاق میں وسعت پیدا کرنے کی سعی کی اور دوسری قوموں نے ان کے نقش پا پر چلنے کا اعتراف کیا، وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ عقیدے کے نام پر اہل علم ذلیل ہوئے، داخل زنداں اور جلاوطن کیے گئے اور چوراہوں پر کتابیں نذر آتش کی گئیں۔

علمی ترقی کا آغاز بغداد میں عباسی خلفا کے علم پرور رویے کی بنا پر ہوا۔ خلیفہ منصور نے ۷۶۲ء اور خلیفہ مامون نے ۸۳۲ء میں کتب خانوں، رصد گاہوں اور تراجم کتب کا اہتمام کیا اور جلد ہی دنیا بھر کی زبانوں کے علمی نوادر عربی میں منتقل ہونے لگے اور اسی بنا پر آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ بھی رہ گئے۔ اس علمی سرپرستی کو بعض علما نے پسند نہیں کیا۔ اس کا اندازہ خلیفہ مامون الرشید کے بارے میں ابن تیمیہ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے:

"میں نہیں سمجھتا کہ خدا تعالیٰ مامون سے غافل رہے گا بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس امت پر اس (یعنی مامون الرشید) نے جو مصیبت (فلسفہ) نازل کی اس کا بدلہ اللہ ضرور اس سے لے گا۔"

اس انداز فکر کی بنا پر فلسفہ، منطق اور دیگر عقلی علوم اسلام کے بنیادی عقاید سے متصادم قرار دیے گئے اور ان کا مطالعہ ناپسندیدہ اور ممنوع قرار پایا جس کے باعث بغداد، سکندریہ اور قرطبہ نے علمی سرگرمیوں کے مراکز ہونے کے ساتھ ساتھ علم کشی میں بھی نام پیدا کیا۔ مسلمانوں میں خرد دشمنی، فلسفہ اور منطق سے نفرت کا موضوع قدیم بھی ہے اور تلخ بھی اور اس پر خاصی خامہ فرسائی بھی ہو چکی ہے۔

ہم ایسی سب کتابیں

فرانسیسی مستشرق موسیو ریناں مسلمانوں کی علمی بربادی کے ضمن میں اپنی تالیف "ابن رشد و فلسفہ ابن رشد" میں یوں رقم طراز ہے:

"قرطبہ کی مساجد جہاں طلبہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، علمی و فلسفی تنظیموں کی پرجوش مرکز بن گئیں، مگر وہ مہلک سبب جو مسلمانوں میں ہمیشہ تہذیب و ارتقا ذہنی کا مانع رہا یعنی مذہبی تعصب ——— وہ اندر ہی اندر الحکم کے کارہائے نمایاں کی بربادی کا انتظام کر رہا تھا۔ دارالعلوم بغداد کے علمائے دینیات نے مامون الرشید کی نجات اخروی کے بارے میں شبہ کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اس نے فلسفہ یونان کو پھیلا کر اسلامی عقاید میں تزلزل پیدا کر دیا تھا، اندلس کے متعصب اہل مذہب نے بھی اس سے کم سختی کا برتاؤ نہیں کیا (ص: ۹۰) "حاجب **المنصور .....** نے الحکم کے کتب خانے کو جو محنت سے جمع کیا گیا تھا، تمام کھنگال ڈالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور فلسفہ، ہیئت اور قدما کی دیگر علوم کی کتابوں کو قرطبہ کے عام منظر پر جمع کر کے آگ لگا دی اور جو بچ رہیں، انھیں یا دریا برد کر ڈالا یا محل شاہی کے حوض میں ڈبو دیا، صرف دینیات، صرف و نحو اور طب کی کتابیں اس دستبرد سے بچ رہیں.... (ص:۹)

" (خلیفہ منصور) نے ساتھ ہی ساتھ تمام صوبہ جات میں احکام جاری کیے کہ اس قسم (یعنی فلسفے) کی خطرناک تعلیم کی ممانعت کر دی جائے اور جن کتابوں سے طبیعت اس طرف مائل ہوتی ہے، انھیں جلا دیا جائے۔" (ص: ۱۹) "اس موقعے پر باشندگان مراکش اور سلطنت کے دیگر بڑے بڑے شہروں کے لوگوں کو منانے کے لیے (جو فرمان) روانہ کیا گیا اس کی ہر سطر سے اس نفرت کا اظہار ہوتا ہے جس کے بھڑکانے والے آزاد خیال طلبائے حکمت و فلسفہ تھے۔" (ص: ۱۹) ابن حبیب اشبیلی کو صرف اس (وجہ سے) سزائے موت دی گئی کہ وہ فلسفہ پڑھا کرتا تھا۔" (ص: ۲۴)

"برخلاف اس تعصب کے جو علما و حکما کے ساتھ اس زمانے میں کیا جاتا تھا ابن باجہ، ابو بکر رازی، ابن زہر اور ابن رشد کے خیالات اہل یورپ کی (فکری) زندگی میں جو اصلی حقیقی زندگی ہے، نمایاں نظر آتے ہیں۔" (ص: ۱۰)

جہاں تک مسلمانوں میں مذہب، عقاید، شریعت اور رسوم کے ساتھ ساتھ فلسفہ، منطق اور سائنسی شعور کے تصادم کا تعلق ہے تو یہ تصادم تلخ ہونے کے ساتھ ساتھ جان لیوا بھی ثابت ہوا۔ اس نے مسلمانوں کی تہذیبی تاریخ، ثقافتی اقدار، تخلیقی صلاحیتوں، تعلیمی مقاصد، تمدنی امور اور فکری رویوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تشکیل یا عدم تشکیل میں سلبی نوعیت کا کردار ادا کیا۔ اسے مذہبی فرقہ واریت کہیں، یا تنگ نظری، جہل مرکب، علمی تعصب یا جدید اصطلاح میں بنیاد پرستی۔ یہ عمل دوسری مذہبی جماعتوں کی طرح مسلمانوں میں بھی ہمیشہ ہی سے جاری رہا ہے، اہل خرد، اہل فلسفہ اور آزاد خیال ہمیشہ ہی سے اقلیت میں رہے جبکہ فکر و نظر سے عاری لوگوں کی ہمیشہ ہی سے اکثریت رہی ہے۔ وہی سونے اور لوہے کی مثال!

شہادت

انتظار حسین نے "نیاز فتح پوری" (شب خون الہ آباد، مارچ مئی ۱۹۸۶ء) میں گلیلیو کی مذہبی عدالت میں توبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی معذرت پر:

> "آدرش پسند شاگرد بہت بے مزہ ہوئے اور بولے بدنصیب ہے وہ قوم جس میں شہید پیدا نہیں ہوتے۔ گلیلیو نے جواب میں کہا بدنصیب وہ قوم ہے جسے شہیدوں کی ضرورت رہتی ہے۔ پتہ نہیں دونوں میں سے صحیح کون ہے؟ شاید دونوں ہی اپنی جگہ سچے ہوں اور اگر یوں ہے تو ہم مسلمان لوگ خالی بدنصیب نہیں، خوش نصیب بھی ہیں۔ ہم بدنصیب ہیں کہ ہمیں ہر زمانے میں شہیدوں کی ضرورت رہی ہے، ہم خوش نصیب ہیں کہ ہر زمانے میں ہمارے درمیان شہید ظہور کرتے رہے ہیں، تو یوں ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ میں فکر و احساس کی، ذہن و قلم کی آزادی کی روایت قائم کر سکے ہوں یا نہ کر سکے ہوں، انھوں نے بہرحال اس قیمتی اضافی قدر کے لیے شہادت پیش کرنے کی روایت ضرور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کر رکھی۔"

یہ وہی بات ہے جسے غالب اور فیض نے اپنے اپنے زمانے میں شاعرانہ اسلوب میں بیان کیا ہے:

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

اجتہاد یا معصیت

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اسلام میں چار بڑے امام پیدا ہوئے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: امام ابو حنیفہ (وفات ۷۶۷)، امام مالک (۷۹۸) امام شافعی (۸۵۴) امام احمد بن حنبل (۸۵۵) یہ وہ عظیم شخصیات ہیں جنھوں نے اسلام کو اپنے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور فقہ کے ان دبستانوں کی بنیاد ڈالی جو آج تک فعال ہیں۔ ان کے برعکس عہد انحطاط میں مسلمان اہل علم جمود و تعطل کا شکار ہوگئے، جس سے دین حنیف کی بلند قدروں کو نقصان پہنچا۔ اس صورت حال پر مولانا مودودی نے "تجدید و احیائے دین" میں لکھا:

"نئے تاتاری حملہ آور اگرچہ اسلام قبول کرتے چلے جا رہے تھے مگر جاہلیت میں یہ حکمران اپنے پیش رو ترکی فرماں رواؤں سے بھی کئی قدم آگے تھے، ان کے زیر اثر آکر عوام اور علما و مشائخ اور فقہا و قضاۃ کے اخلاق اور بھی زیادہ گرنے لگے۔ تقلید جامد اس حد تک پہنچ گئی کہ مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہی و کلامی مذاہب گویا مستقل دین بن گئے، اجتہاد معصیت بن کر رہ گیا۔" (ص: ۷۳-۷۵)

مولانا نے اس ضمن میں حاشیے میں یہ بھی تحریر کیا ہے:

"اس وقت کے علما کی حالت یہ تھی کہ ہلاکو خان نے بغداد پر تسلط جمانے کے بعد علما سے فتویٰ طلب کیا کہ سلطان کافر عادل اور سلطان مسلم ظالم میں سے کون افضل ہے؟ تو علمائے کرام نے بلا تکلف یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ سلطان کافر عادل افضل ہے۔"

حقیقت خرافات میں کھو گئی

آج ہم ہندوؤں اور بعض دیگر اقوام کی اساطیر کو "خرافات" قرار دیتے ہوئے ان کی عقلی توجیہات کا مضحکہ اڑاتے ہیں، مگر ہم بھی اسطور سازی میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، اگر مذہب کے نام پر مسلمانوں میں پائی جانے والی باتوں، روایات اور حکایات کا علمی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے، تو اچھی خاصی سائنسی فکشن کا مزا آجائے۔

نیاز فتح پوری نے "نگار" پاکستان (کراچی: جنوری ۱۹۶۶ء) میں کوہ قاف کے بارے میں باب الاستفسار میں یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں مگر اس سے پہلے انھوں نے تمہید میں یہ بھی لکھا:

"جب کوئی مذہب اپنے ابتدائی دور سے گزر جاتا ہے اور قوت عمل ضعیف ہو کر صرف قوت خیال پر معتقدات کی بنیاد قائم ہوتی ہے تو بعض نہایت عجیب و غریب صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک محقق کے لیے یہ سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے کہ اصل ہیئت کسی مذہب کی کیا تھی اور بعد کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کیا کیا اضافے کیے گئے اور کس طرح اس کو مسخ کیا گیا۔
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیاسات و توہمات اصل مذہب قرار دیے جاتے ہیں اور صرف عجوبہ پرستی ہی سے اس کا وقار قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ مذہب اسلام پر بھی ایک ایسا ہی زمانہ گزر چکا ہے' جب چاروں طرف کا خار و خس لا لا کر اس چشمۂ (صافی) میں ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ شفاف پانی کی سطح نظروں سے چھپ گئی اور لوگوں نے اس کی گندگی کو اصل مذہب قرار دے لیا۔"

کوہ قاف کے لیے روایت ہے کہ یہ ایک پہاڑ ہے جو تمام روئے زمین کا احاطہ کیے ہوئے ہے' میں نے احاطہ کا لفظ صحیح استعمال نہیں کیا کیونکہ قدیم عبرانیوں اور یونانیوں کی طرح اہل عرب بھی زمین کو چپٹا باور کرتے تھے۔ مدعا یہ کہ کوہ قاف زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چاروں طرف چلا گیا ہے لیکن اس کے اور زمین کے درمیان ایک ایسا زبردست حلقہ تاریکی کا ہے جس کو انسان عبور نہیں کرسکتا اور اگر عبور کرے بھی تو کم از کم چار مہینے درکار ہوں گے۔ بعض روایات کی رو سے یہ حلقہ محض تاریکی کا نہیں ہے بلکہ نہایت ہی متعفن و تاریک پانی کا ہے جس کے ساحل ناپید ہیں——— اس کا نام بحرالمحیط یا اوقیانوس ہے۔

طبری کا بیان ہے کہ اگر کوہ قاف زمین کو تھامے نہ ہوتا تو زمین ہر وقت لرزش میں رہتی اور کوئی شخص اس پر سکونت نہ کرسکتا۔ قزوینی کا بیان ہے کہ زمین پہلے ہر وقت ہلتی ڈولتی رہتی تھی اس لیے خدا نے ایک فرشتہ پیدا کیا' جس نے اسے اپنے شانوں پر رکھ کر مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ فرشتہ ایک مربع قطعہ یاقوت غفرانی پر کھڑا ہے جسے ایک بڑا بیل سینگوں پر سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ بیل ایک مچھلی کی پشت پر قائم ہے جو پانی میں تیرتی رہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہاں جاتا ہے کہ قاف دنیا کے تمام پہاڑوں کی بیخ و بن ہے اور سب پہاڑ اندر ہی اندر آکر اس سے مل گئے ہیں اور جب خدا کسی قطعہ زمین کو تباہ کرنا چاہتا ہے تو اندرونی سلسلہ کوہ کو جنبش میں لے آتا ہے جس سے زلزلہ پیدا ہو کر لوگ مرجاتے ہیں۔ بعض نے زلزلے کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ بیل جو زمین کو سنبھالے ہوئے ہے کبھی کبھی کانپ اٹھتا ہے اور اس کی کپکپی سے زمین بھی تھرا اٹھتی ہے۔

آپ نے کوہ ارض کی حقیقت' کوہ قاف کی اصلیت اور زلزلے کی ماہیت سن لی' جسے ہمارے یہاں کے مورخین و محققین بیان کرتے ہیں اور جس کے ثبوت میں بے بنیاد روایات اور اسرائیلیات پیش کی جاتی ہیں۔ اچھا اب غور کیجیے کہ اس سے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

ہر وہ شخص جو مسلمان ہو یا مسلمان رہنا چاہے کیا اس کے لیے ضروری ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں پر ایمان لائے' کیونکہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ اکابر کی تحقیق ہے اور تحقیق بھی وہ جو بے بنیاد روایات پر قائم ہے۔

اگر آج کوئی شخص کہے کہ یہ تمام روایتیں بالکل مہمل اور بے بنیاد ہیں۔ نہ تو قرآن سے ان کا ثبوت مل سکتا ہے اور نہ ہی صحیح اور مستند احادیث سے' تو فوراً یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کیا ہمارے اکابر اور اسلاف تمہارے برابر بھی عقل نہ رکھتے تھے اور کیا انہوں نے بغیر غور و تحقیق کے یوں ہی اس قسم کی روایات کو صحیح باور کر لیا تھا۔

مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی مذہبی روایات میں دیگر مذاہب کے خرافات (میتھالوجی) نہیں پائے جاتے' لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا علم الاصنام کسی اور چیز کا نام ہے' کیا خرافات' ان روایتوں سے علیحدہ کوئی اور چیز ہو سکتی ہے اور کیا مسلمانوں میں جو اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں وہ واقعی دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذاہب کی خرافات مستعار نہیں لی گئی ہیں۔

آیئے اب اسی کوہ قاف کی روایت پر غور کیجیے کہ اس کا اصل ماخذ کیا ہے۔

قدیم ایران کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہ البرز جسے قدیم پہلوی زبان میں برابرزائتی (یعنی اونچا پہاڑ) کہتے تھے، بالکل اسی قسم کی روایات اپنے سے متعلق رکھتا تھا اور قدیم یونانیوں کے کوہ اولمپس کی طرح اسے بھی خداؤں یا دیوتاؤں کا مسکن بتایا جاتا تھا۔

اس پہاڑ کے متعلق اوستا لٹریچر میں جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ زمین کے تمام پہاڑوں کی بنیاد ہے، جو زمین کے اندر ہی اندر اس سے نکل کر پھیل گئے ہیں۔ اسی پہاڑ میں ایک جھیل بھی پائی جاتی ہے۔ اس پہاڑ کا دوسرا نام قاف بھی ہے۔ صاحب معجم البلدان نے بھی کہا ہے کہ قاف کو پہلے البرز کہتے تھے۔ ہندوؤں کے پران میں بھی ایک ایسے پہاڑ کا ذکر موجود ہے جس کا نام لوکالوک ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ پہاڑ اس دنیا کو اس دنیا سے علیحدہ کرتا ہے جس کی دوسری طرف سوا تاریکی کے کچھ نہیں ہے۔ چینی مذہب والوں کی روایات میں بھی ایک پہاڑ مانو سونر ایسا پایا جاتا ہے جو انسانی آبادی کی آخری حد سمجھا جاتا ہے۔

مند نامی قوم میں بھی ایک روایت پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین کو چپٹا سمجھتے تھے اور تین طرف پانی سے گھرا ہوا باور کرتے تھے، شمال کی طرف وہ ایک ایسے پہاڑ کا وجود مانتے تھے جو زمرد کا بنا ہوا تھا اور جس کے انعکاس سے آسمان نیلگوں نظر آتا تھا۔

الغرض تمام مشرقی قوموں میں شمال کی طرف ایک پہاڑ کا پایا جانا باور کیا جاتا تھا اور غالباً یہ خیال اہل بابل سے لیا گیا تھا۔ قدیم عبرانی میں بھی قریب قریب اسی قسم کی روایتیں رائج تھیں جیسا کہ توریت کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔

متذکرہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ کوہ قاف وہی ہے جسے ایرانی البرز کہتے تھے اور جو روایت اس کے متعلق ان کے یہاں پائی جاتی تھی وہ مسلمانوں نے بھی اختیار کر لی۔ اور متعدد حدیثیں رسولؐ اللہ سے ایسی منسوب کر دیں، جن سے ان روایتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اور مذاہب کی تو تمام روایات خرافات میں شامل کی جائیں گی لیکن اپنی روایات کو ارباب تو ہم نے بالکل صحیح مان لیا گیا ہے۔

اب ہم عزرائیل یا ملک الموت کی حقیقت پر ارباب تحقیق کی تحقیق پیش کرتے ہیں جو کوہ قاف کی تحقیق سے کم حیرت انگیز نہیں:

(۱) عزرائیل اتنا چوڑا چکلا اور اتنا زبردست فرشتہ ہے کہ اگر دنیا کے تمام سمندروں اور دریاؤں کا پانی اس کے سر پر ڈالا جائے تو ایک قطرہ بھی زمین تک نہ پہنچے۔ اس کا نورانی تخت چوتھے یا ساتویں آسمان پر ہے جہاں اس کا ایک پاؤں ٹکا ہوا ہے اور دوسرا پاؤں اس پل پر ہے جو دوزخ اور بہشت کے درمیان بنایا گیا ہے۔ اس کے ستر ہزار پاؤں ہیں۔

(۲) اول اول عزرائیل بھی دوسرے فرشتوں کی طرح تھا لیکن جب اللہ نے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے جبرائیل کو حکم دیا کہ جاؤ اور زمین سے ایک مٹھی عناصر ان اجزا کے لیے لے آؤ جن سے انسان کی تعمیر ہو سکے، لیکن جب جبرائیل زمین پر پہنچے تو ابلیس مانع آیا اور جبرائیل ناکام واپس آئے، اس کے بعد میکائیل اور اسرافیل بھیجے گئے لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئے۔ آخر میں عزرائیل کو بھیجا گیا اور یہ کامیاب واپس آیا اور اللہ نے اس کو فرشتہ موت بنا دیا کیونکہ اس میں رحم کی کمی تھی۔

(۳) جب اللہ نے موت کو پیدا کیا تو فرشتوں کو طلب کیا اور کہا کہ اس کی طرف دیکھو۔ لیکن جب انھوں نے اس کی غیر معمولی قوت کو دیکھا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیران رہ گئے اور بے ہوش ہو کر زمین پر ہزاروں سال تک گرے ہوئے پڑے رہے' اس کے بعد جب انھیں ہوش آیا تو ایک زبان ہو کر بولے کہ "بے شک موت بڑی زبردست تخلیق ہے۔" خدا نے یہ سن کر فرمایا کہ "میں نے عزرائیل کو اس پر قابو دے دیا ہے۔"

(۴) عزرائیل کے پاس تمام انسانوں کی فہرست موجود رہتی ہے' لیکن اسے یہ معلوم نہیں رہتا کہ کب کس کی موت آئے گی' وہ لوگ جو نجات پانے والے ہیں ان کے نام کے گرد ایک نورانی حلقہ ہوتا ہے اور جو دوزخی ہیں ان کے نام کے گرد سیاہ حلقہ ہوتا ہے۔

(۵) جب موت کا دن آتا ہے تو اللہ اس درخت سے جو عرش کے نیچے ہے' ایک پتہ توڑ کر گرا دیتا ہے جس پر مرنے والے کا نام منقوش ہوتا ہے اور یہ پتہ عزرائیل کے آغوش میں آکر گرتا ہے اور یہ نام پڑھ لیتا ہے اور ۴۰ دن کے بعد روح نکال لیتا ہے۔

(٦) ادریسؑ' الیاسؑ' عیسیٰؑ اور خضرؑ موت سے آشنا نہیں ہوئے اور اب تک زندہ ہیں' موسیٰؑ کے پاس جب ملک الموت آیا تو انھوں نے ایک تھپڑ مارا جس سے ان کی آنکھ مجروح ہو گئی' جب فرشتہ شکایت لے کر خدا کے پاس آیا تو خدا نے بہشت کا سیب ان کو دیا اور اس کو سونگھ کر وہ جان دینے پر راضی ہو گئے۔

یہ تھی ہمارے "اکابر" کی تحقیق فرشتہ موت کے متعلق جو حسب ذیل کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

مسعودی کی مروج الذہب' غزالی کی درالفاخر' کسائی کی عجائب الملکوت' تاریخ ابن اثیر' تاریخ الخمیس' (دیار بکری) ثعالبی کی قصص الانبیا

تماشہ یہ ہے کہ یہ تمام اسرائیلیات حضرت رسول اللہؐ سے منسوب کی جاتی ہیں اور کسی کا خیال اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ یہ سب باتیں بعد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھڑی ہوئی ہیں اور رسولؐ اللہ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں۔

ملک الموت کے متعلق اس طرح کی حیرت انگیز روایات یہود میں رائج چلی آرہی تھیں کہ اس کے چار ہزار بازو ہیں۔ اس کے جسم میں زبان اور آنکھ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یعنی جتنے آدمی ہیں اتنی ہی آنکھیں اور زبانیں اس کے جسم میں بھی ہیں۔اس کے چار چہرے ہیں وغیرہ وغیرہ اور بعد کو مسلمانوں نے انہی روایات پر اعتماد کر کے اپنے یہاں لے لیا اور لوگوں کو یقین دلانے کے لیے رسولؐ سے منسوب کر دیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس زمانے میں بھی ان روایات پر یقین کیا جاسکتا ہے اور کیا ادنیٰ فہم و عقل کا انسان بھی کبھی باور کرسکتا ہے کہ روح نکالنے کے لیے یہ تمام لایعنی حرکتیں کی جاتی ہیں۔

پھر افسوس ہے ہمارے علماء کرام پر جو اب بھی مواعظ میں اس طرح کی روایتیں بیان کرتے ہیں اور صد ہزار افسوس ہے ان کی جسارت پر کہ ایسی باتوں کو حضرت رسول اللہؐ سے منسوب کر کے ان کی عظمت و عزت کو بھی خاک میں ملانا چاہتے ہیں۔" (۱)

یہ اقتباس خاصہ طویل ہو گیا لیکن یہ اس امر کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مذہب کے نام پر خلاف عقل، خلاف واقعہ، خلاف مشاہدہ، اور خلاف منطق سب کچھ نہ صرف تسلیم کر لیا جاتا ہے بلکہ کچھ عرصہ بعد وہ مذہبی روایات کی صورت اختیار کر کے بعض عقاید کے لیے بنیادی حیثیت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ ان بے بنیاد مذہبی روایات سے جس اساطیر کی تشکیل ہوتی ہے اس کا مطالعہ دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی اور اسی تناظر میں علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے درست معانی سمجھ میں آسکتے ہیں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدا بصحرا

"ہر جماعت کی نظم و ترتیب اور اصلاح کے لیے ایک
رئیس کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم نے اپنے بھائیوں کی
جماعت کے لیے اپنا رئیس عقل کو مقرر کیا ہے۔"

مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی وجوہ کی بنا پر چوتھی صدی ہجری میں عقل کے خلاف، ذہنی بنجرپن اور علوم کی پسماندگی نے جہاں عمومی طور پر مسلم دانشوروں، صاحبانِ علم اور علما و فضلا کو محض روایت پرست اور ماضی کا مقلد بنائے رکھا تھا، وہاں محدود اقلیت میں ایسے اہلِ دانش بھی تھے جنھوں نے فلسفہ، منطق اور ان کی پیدا کردہ نئی سوچ سے خوفزدہ ہو جانے کے برعکس فروغ علم اور خرد افروزی کے لیے خفیہ سلسلہ تالیفات شروع کیا۔ یہ اب "رسائل اخوان الصفا" کے نام سے مشہور ہیں، ان کی تعداد ۵۲۔ ۵۱۔ ۵۰ تسلیم کی جاتی ہے۔اگرچہ ان رسائل کے مولفین نے فساد خلق کے باعث اپنے نام خفیہ رکھنے کی کوشش کی، تاہم محققین ابو سلیمان محمد بن معشر، ابو احمد اطہر کوفی، ابوالحسن علی بن ہارون زنجانی اور زید بن رفاعہ کے اسما کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ان رسائل کے مباحث کے علمی تنوع کی بنا پر یقیناً مزید اہل علم بھی شامل رہے ہوں گے، مگر اب ان کے اسما ہمیشہ کے لیے مخفی ہی رہیں گے۔ شاید اس لیے بعد میں ان رسائل کے مولفین کے بارے میں پراسرار روایات مشہور ہوگئیں، جیسے یہ رسائل کسی شیعہ عالم یا کسی اسماعیلی یا کسی بے دین کی تالیفات ہیں۔

یہ رسائل آج کی اصطلاح میں دنیا میں انسائیکلوپیڈیا کی اولین اور قدیم ترین صورت قرار دیے جاسکتے ہیں اور یورپ کے محققین اور مستشرقین نے ان کا اسی حیثیت میں تحقیقی مطالعہ کرتے ہوئے ان کی اہمیت اجاگر کی ہے، یوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھیں تو دسویں صدی عیسوی کے ان گمنام مولفین کے رسائل کی آج بھی اہمیت ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ یہ ۳۷۳ھ / ۹۸۳ء میں تالیف کیے گئے۔ ان تمام رسائل کا خلاصہ "الجامعتہ" کے نام سے ایک جلد میں مدون کیا گیا اور پھر اس کی تلخیص "جامعتہ الجامعتہ" کے نام سے بھی کی گئی جو انسائیکلوپیڈیا کی جدید تکنیک کے عین مطابق ہے۔ اردو دائرہ معارف (جامعہ پنجاب) اور ڈاکٹر آغا افتخار حسین کی "قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ" میں درج کوائف سے اخوان الصفا کے بارے میں مختصراً درج ہیں۔

اخوان الصفا اختصار ہے اس طویل نام کا: "اخوان الصفاء و خلان الوفاء و اہل العدل و ابناء الحمد۔"

اخوان الصفا کی فکری اساس فلسفہ، عقل، منطق اور تحقیق پر استوار تھی بلکہ یوں سمجھیے کہ عقلیت پر مبنی سائنسی سوچ کا ظہور ان ہی رسائل میں نظر آتا ہے۔ یہ اقتباس ایک طرف سے ان کی علمی مساعی کا منشور قرار پاتا ہے:

> "شریعت اسلامی جہالت اور گمراہی سے آلودہ ہوگئی ہے اور اس کی صفائی صرف فلسفے ہی سے ممکن ہے کیونکہ فلسفہ، حکمت اعتقادیہ اور مصلحت اجتہادیہ پر حاوی ہے اور جس وقت فلسفہ یونان اور شریعت محمدی میں امتزاج پیدا ہو جائے گا تو اس وقت (علم اور قوم کو) کمال حاصل ہو جائے گا۔"

آغا افتخار حسین نے رسائل کے موضوعات کی جو فہرست دی ہے اسی سے علمی مطالعہ کے تنوع اور وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

ریاضی (علم الاعداد، جیومیٹری، فلکیات، جغرافیہ، موسیقی نظری اور علمی فنون، اخلاقیات)

طبعیات (حقیقت مادہ، شکل، حرکت، زمان و مکان، آسمان، معدنیات، حقیقت فطرت، نباتات، حیوانات، جسم انسانی، حواس، زندگی اور موت، لذت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اذیت' لسانیات)

مابعد الطبعیات (نفسیاتی عقلیت' دینیات' نفس' محبت' حیات بعد ممات' علت و معلول' ایمان' قانون ایزدی' نبوت' تشکیل کائنات اور جادو وغیرہ) (ص:۱۴۱)

یہ عقل پسند مولفین بعض امور میں تو ڈارون اور آئن سٹائن کے پیش رو قرار پاتے ہیں کہ ڈارون سے ہزار برس قبل وہ یہ لکھ رہے تھے:

"ارتقا میں حیوانات کی آخری منزل اور انسان کی پہلی منزل "قرد" (بندر) ہے جو صورت و عمل کے اعتبار سے انسان سے مشابہت رکھتا ہے۔"

انھوں نے وقت کے قطعی اور مطلق تصور کو مسترد کرتے ہوئے یہ لکھا:

"وقت کی کوئی خارجی حقیقت نہیں ہے' ہمیں وقت گزرتا ہوا صرف اسی صورت میں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے آس پاس کوئی چیز حرکت میں ہو.... ہم جو کچھ دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں' وہ صرف اشیاء کی حرکت ہے وقت کوئی چیز نہیں۔"

واضح رہے کہ اسی نکتے کی تشریح آئن سٹائن نے ریل گاڑی میں سفر کی مثال سے کی تھی کہ ہم خود حالت سکون میں ہوتے ہیں مگر خارج میں بھاگتی اشیا کی وجہ سے ہم خود کو بھی حرکت میں محسوس کرتے ہیں۔

"اخوان الصفا" کے بارے میں اور بھی کئی دلچسپ باتیں ملتی ہیں مثلاً وزن کے سلسلے میں انھوں نے نیوٹن سے پہلے کشش اجسام کی بات کی اور اس کے منطقی نتیجہ کو بے وزنی سے واضح کیا ——— عشق کو انھوں نے مالیا خولیا' یا خلل ہے دماغ ہے' قرار دیا' اسی طرح جدید نفسیات دانوں سے صدیوں پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے انسانی شخصیت کی اساس قلب کی بجائے ذہن پر استوار کرتے ہوئے بالواسطہ طور پر اعصابی کارکردگی کی طرف اشارہ کیا۔

الغرض! اخوان الصفا کے زاویہ نگاہ کی اساس عقل پر استوار تھی ———— وہ عقل جو فلسفہ کو فکر، منطق کو اساس اور سائنس کو تجربے کا اہل بناتی ہے، یہ سر تاپا عقلیت کے داعی تھے، اس حد تک کہ "ان کے نظریے کے مطابق ذات باری کی سب سے پہلی تخلیق عقل ہی ہے، جو ابتدائے آفرینش سے تا ابد قائم رہے گا، عقل کا وجود اور اس کی ابدیت ذات باری کا اہم ترین عطیہ ہے، روح، عصر اور مادہ بھی عقل ہی سے تخلیق ہوئے۔ اس طرح کائنات کی تخلیق کا منبع بھی عقل ہے جو ذات باری کی محکوم ہے، کسی اور ہستی کی محکوم نہیں۔" (ایضاً: ۱۴۲)

———— اس اقتباس کی آخری سطروں سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ خدا اور دین سے منکر نہ تھے بلکہ عقل کے ذریعے سے ان کے اثبات کے داعی تھے۔

اگرچہ مشرق میں یہ رسائل بالعموم ممنوعہ ہی رہے مگر مغرب میں ان پر خاصی ریسرچ کی گئی اور لندن (۱۸۶۱ء) اور جرمنی (۱۸۸۶ء) شائع کیے گئے۔

مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو "اخوان الصفا" ایک تحقیقی مطالعہ" اور سید شبیر حسین شاہ زاہد، مطبوعہ "المعارف" (لاہور، مئی جون ۱۹۹۳ء)۔

کافر تر است نہ زاہد

صوفیائے کرام کی صورت میں ایک طبقہ ایسا بھی ملتا ہے جس نے خود کو شعوری طور پر نقلی اور عقلی مباحث سے دور رکھتے ہوئے روحانی مسلک اختیار کر کے دل کی آنکھ سے خدا اور مظاہر کائنات کو دیکھنے اور سمجھنے کی سعی کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصوف کے آغاز، ارتقا، افادیت اور عدم افادیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس لیے اعادہ اور تکرار سے بچتے ہوئے صرف اتنا اشارہ کیا جاتا ہے کہ اہل شریعت نے اہل طریقت کو ہمیشہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا، تو صوفیا نے بھی بے لچک رویہ، خشونت طبع، جاہ طلبی اور سطحیت کی بنا پر اہل شریعت کو کبھی پسند نہ کیا۔ صوفیا نے خدا کو فلسفہ یا منطق سے سمجھنے کے بغیر اس سے محبت کی۔ ایسی محبت کہ اللہ کی ہستی میں خود کو سمو دینا صوفی کی معراج قرار پائی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مذہب، فلسفہ اور منطق کی تلخ ترین بحثوں کے متوازی صوفیا اور شعرا نے جذباتی اور تخلیقی سطح پر اہل شریعت کے ساتھ محاذ آرائی جاری رکھی، یوں کہ۔ ملا، مولوی، شیخ، محتسب، واعظ، ناصح وغیرہ۔ نے اپنے لغوی مفہوم سے بلند ہو کر علامتی حیثیت اختیار کر لی۔ پہلے فارسی میں، پھر اردو میں ان کے پہلو بہ پہلو پنجابی، سرائیکی، سندھی وغیرہ میں بھی۔

فارسی سے چند مثالیں پیش ہیں، حافظ شیرازی کے بموجب:

واعظاں کیں جلوہ در محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

فقیہہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد
کہ می حرام ولی بہ زمال اوقاف است
حافظ می خور و رندی کن و خوش باش ولی
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

خیام کی رباعی ملاحظہ کیجیے:

زاہد بہ زن فاحشہ گفتا مستی
بنگر از کہ بگستی و بہ کہ پیوستی
زن گفت "چناں کہ می نمایم ہستم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو نیز چنانکہ می نمائی ہستی؟

ایسے اشعار کا نفسیاتی افادہ کیتھارس میں مضمر ہے کہ شاعر کے ساتھ ساتھ قاری بھی ان سے خاص نوع کی نفسی تسکین حاصل کرتا ہے، حضرت واعظ اور حضرت ناصح جن حضرات کی علامت ہیں، ان کا منہ بند تو نہیں کر سکتے لہٰذا طنز سے کسی حد تک اعصابی تناؤ میں کمی تو کر سکتے ہیں۔

نوٹ

ا۔ کوہ قاف یا عزرائیل سے متعلق عوام یا حلقہ ہائے وعظ میں پھیلی ہوئی جن روایات یا اساطیر کا نیاز فتح پوری نے تذکرہ کیا ہے اہل علم انہیں بہت پہلے مسترد کر چکے ہیں۔ قدما میں ابن عطیہ، القرطبی، ابن تیمیہ، ابن خلدون نے اسرائیلیات یا بے بنیاد روایات کا بڑی سختی سے محاسبہ کیا ہے، عہد حاضر میں شیخ محمد عبدہ، علامہ رشید رضا، محمد اسد اور ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیروں میں اس قسم کی روایات کو مہمل قرار دیا ہے۔ (رشید احمد)

© rasailojaraid.com